قد بدت البغضاء من افواههم وما تخفی صدورهم اکبر

قد بینا لکم الآیات ان کنتم تعقلون

ان کے منہ سے دشمنی تو ظاہر ہو ہی چکی اور جو بغض و کینہ ان کے سینوں میں مخفی ہیں
وہ کہیں زیادہ ہیں۔ ہم نے نشانیوں کو ظاہر کر دیا اگر تم عقل رکھتے ہو۔ (آل عمران ۱۱۸)

شانِ علی المرتضیٰ ع میں

گستاخی کا

محققانہ و مدلل جواب

رشحات قلم

آفتاب حسین جوادی

ناشر: مرکز مطالعات اسلامی پاکستان

بسم سبحانہ

حدیث پیامبر اکرم ﷺ

مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَنْتَقِصُوْنَ عَلِیًّا، مَنْ یَنْتَقِصْ عَلِیًّا فَقَدْ تَنَقَّصَ لِی، وَ مَنْ فَارَقَ عَلِیًّا فَقَدْ فَارَقَنِی، اِنَّ عَلِیًّا مِنِّی وَ اَنَا مِنْهُ، خُلِقَ مِنْ طِیْنَتِی وَ خُلِقْتُ مِنْ طِیْنَةِ اِبْرَاهِیْمَ وَ اَنَا اَفْضَلُ مِنْ اِبْرَاهِیْمَ۔

ترجمہ: ان لوگوں کا کیا ہوگا جو علیؑ کی تنقیص کرتے (شان گھٹاتے) ہیں۔ جو بھی علیؑ کی شان گھٹاتا ہے (گستاخی کرتا ہے) وہ میری شان گھٹاتا ہے اور جو علیؑ سے جدا ہوا وہ مجھ سے جدا ہو گیا۔ بیشک علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں اس کی تخلیق میری مٹی سے ہوئی ہے اور میری تخلیق ابراہیمؑ کی مٹی سے اور میں ابراہیمؑ سے افضل ہوں۔

(روایت از حضرت بریدہ اسلمیؓ)

(المعجم الاوسط (امام طبرانی) جلد ۶، ص ۱۶۳_۱۶۲، حدیث نمبر ۶۰۸۵ طبع سعودی عرب)

شناخت نامہ

نام	:	شانِ علی المرتضیٰ میں گستاخی کا محققانہ و مدلل جواب
تالیف	:	حجۃ الاسلام علامہ آفتاب حسین جوادی
ناشر	:	مرکز مطالعاتِ اسلامی، 35-A سیٹلائٹ ٹاؤن، راولپنڈی
کمپوزنگ	:	محمد اسلم، یونیورسل کمپوزنگ سسٹم، اسلام آباد 0301-5092509
صفحات	:	40
تاریخ اشاعت	:	اگست 2008ء بمطابق رجب المرجب 1429ھ

ملنے کے پتہ جات:

اسلام بک سنٹر، C-362، گلی نمبر 12، G-6/2، اسلام آباد۔ موبائل نمبر 0300 9502812

المہدی بک سنٹر، بیرون جامعہ المنتظر، H بلاک ماڈل ٹاؤن، لاہور۔ 042-5851823

سید جعفر علی اینڈ سنز، اردو بازار، بھکر۔ فون: 0453-511144

مولانا ابوالحسن حکیمی، جامعہ اہل البیت ایف ۷/۲، ہاشم الدین روڈ، اسلام آباد۔ فون: 0345-5118503

مندرجات

... ۳

...لہامی مذاہب میں شراب حرام تھی ۶

...ں بنی ہاشم کے ہاں شراب حرام تھی ۱۱

...علیؑ کی پہلی گھٹی لعاب دہن پیغمبر تھی ۱۴

...ں شراب......؟ ۱۶

...رت روایات کی کثرت ۱۹

...ث روایت کی سند ۲۱

...ثانی" کی وضاحت ۲۳

...علیؑ کی کردار کشی کے لیے پروپیگنڈہ ۲۶

...ں نے حضرت علیؑ پر شراب نوشی کا الزام لگایا ۲۸

...ترمذی کی فنی حیثیت ۲۹

...روایت کے باب میں ترمذی متساہل ہیں ۳۲

...ایت میں اضطراب پایا جاتا ہے ۳۴

...بی داؤد کی روایت...... ۳۴

...م تاریخی واقعہ ۳۸

...ب استدلال ۳۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہما السلام اپنے اسم گرامی کے مصداق تمام تر بلندیوں، رفعتوں، عظمتوں کے باوجود پندرہ صدیاں پہلے کی طرح آج بھی مظلوم ہیں۔

اس وقت کی طرح آج بھی آپ کی سب سے بڑی مظلومیت، مسلمانوں کا آپ کو نہ پہچاننا اور ان عظمتوں و رفعتوں کا ادراک نہ کرنا ہے جو پیامبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے حق میں بیان ہوئیں۔

حضرت علیؑ اپنے زمانے میں بھی اس قدر مظلوم تھے کہ خود شکوہ فرماتے رہے کہ لوگوں نے ان کی شخصیت کا موازنہ ایسے افراد سے کرنا شروع کر دیا تھا جن میں گھٹیا انسانوں کی تمام صفات پائی جاتی تھیں۔

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک؟

پھر عظمتوں کے اس عظیم پیکر کی مظلومیت کا یہ عالم بھی تاریخ نے نقل کیا کہ جب ۲۱ رمضان ۴۰ ہجری کو محراب مسجد میں حملے کے بعد مظلومانہ شہادت سے ہمکنار ہوئے تو شام کے بعض لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ (نعوذ باللہ) علیؑ کا مسجد میں کیا کام؟ اس سے امیر المومنینؑ کے خلاف صریح بے بنیاد پراپیگنڈہ کی شدت اور بے بصیرت افراد کے اس پراندھا دھند یقین و ایمان کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف ایک گروہ نے اس الٰہی انسان اور حقیقی عبد کی فضیلتوں و رفعتوں کا جزوی مشاہدہ کیا تو اُسے خدا سمجھ بیٹھا (العیاذ باللہ)۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے ان دونوں گروہوں کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا میرے بارے دو قسم کے افراد ہلاک ہوں گے، ایک محبت میں مبالغہ کرنے والا (خدا سمجھنے والے) دوسرا بغض رکھنے اور گھٹانے والا۔

یہی وجہ ہے کہ جس طرح حُبّ علیؑ کی نعمت نسل در نسل چلی، اسی طرح بغض علیؑ کی لعنت بھی نسلوں میں منتقل ہوتی رہی اور ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں تاریخ انسانیت کے اس ملکوتی کردار کی شان گھٹانے کی مذموم کوشش جاری رہی۔ بعض نے عمداً یہ کام کیا اور بعض سادہ لوحوں نے بغیر سوچ و بچار کے علی ابن ابی طالبؑ کی کردار کشی کے ناقابل معافی گناہ میں اپنا حصہ ڈالا۔

۱۲ جون ۲۰۰۸ء کو Q ٹی وی پر ڈاکٹر اسرار احمد نے ایک ایسے ہی فعل کا ارتکاب کر کے دنیا بھر

کے محبان نبیؐ و علیؑ کی دل آزاری کی۔

ارباب علم جانتے ہیں کہ فقط کتب تاریخ ہی نہیں بلکہ اہلسنت کی صحاح ستہ میں نہ صرف ایک روایت بلکہ کثیر تعداد میں ایسی ہی ضعیف روایات پائی جاتی ہیں کہ جن سے نہ فقط اُمہات المومنین و جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی توہین ہوتی ہے بلکہ ذات گرامی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی تنقیص ثابت ہوتی ہے۔ ایسے گستاخانہ و توہین آمیز مواد کو کوئی بھی عقلمند کسی چھوٹی محفل میں بھی بیان کرنے کی جرأت نہیں کرتا چہ جائیکہ کسی بڑے اجتماع یا میڈیا کے لاتعداد سامعین و ناظرین کے سامنے بیان کیا جائے۔ عام مسلمان کو بھی بخوبی معلوم ہے کہ ایسی توہین آمیز روایات دشمنان اسلام و منافقین کی کارستانیوں کا نتیجہ ہیں۔

Q ٹی وی کے مذکورہ اہانت آمیز پروگرام کے خلاف وسیع پیمانے پر شدید ردعمل ہوا، ملک بھر میں مظاہرے ہوئے جن کا سلسلہ ان سطور کے لکھے جانے تک جاری ہے۔ خیال تھا کہ اسرار احمد صاحب اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے خود ہی اس غلط روایت کا اہلسنت ہی کی معتبر کتب سے تجزیہ کرتے ہوئے اسے رد کریں گے اور توہین علیؑ و مسلمانوں کی دل آزاری کے لیے معافی مانگیں گے مگر صد افسوس کہ تا حال وہ اپنے موقف سے دست بردار نہیں ہوئے۔ چنانچہ ۲۹ جون ۲۰۰۸ء کے نوائے وقت، لاہور میں اُن کی طرف سے نمایاں سرخی میں وضاحت شائع ہوئی جس میں انہوں نے اس امر کا تو برملا اعتراف کیا کہ ''جس مسلمان کے دل میں خانوادہ نبوت کی محبت نہ ہو وہ حقیقی ایمان سے محروم ہے'' نیز یہ کہ ''حضرت عمرؓ کی بجائے اصل شاہکار رسالت حضرت علیؓ تھے'' اور ''صحابہ کرام کی مقدس جماعت میں آنحضرتؐ سے کُلی مشابہت رکھنے والے حضرت علیؓ تھے''۔ مگر اس کے باوجود اپنے ٹی وی بیان کے حوالے سے کوئی غلطی یا غلط فہمی تسلیم نہ کی۔ گویا بیان کردہ روایت پر تکمیل تذکرہ پیش نہیں کی بلکہ اسے درست اور مطابق واقعہ تسلیم کرتے ہوئے بیان کیا۔

ع   اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اس صورتحال میں بحکم قائد ملت اسلامیہ علامہ سید ساجد علی نقوی مدظلہ ضروری سمجھا گیا کہ عوامی مظاہرے تو جذبات کا اظہار ہیں مگر اس سے کہیں اہم کام خلیفہ راشد حضرت علی علیہ السلام کی ذات پر اس بدترین الزام کا علمی و تحقیقی جائزہ لینا ہے تاکہ حقیقت واضح ہو سکے اور عامۃ المسلمین ایک غلط روایت کے حوالوں کے دھوکہ میں پریشان نہ ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس سعی جمیل کو اپنی بارگاہ معلیٰ میں قبول فرمائے۔ آمین

تنظیم اسلامی کے بانی اور داعی تحریک خلافت ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے ۱۴ جون ۲۰۰۸ء کو QTV پر اپنے بیان میں اس امر کا تذکرہ کیا ہے کہ............جن کی گھٹی میں شراب پڑی ہوئی تھی صرف اتنی بات پر وہ چھوڑنے والے نہیں تھے لہٰذا شراب چلتی رہی ،اب اس کے بعد حکم آیا کہ ایسی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ اس کے پس منظر میں واقعہ بیان ہوتا ہے کہ............بعض صحابہؓ کے ساتھ شامل ہو کر حضرت علی علیہ السلام نے بھی شراب نوشی کی اور اسی نشہ کی حالت میں نماز مغرب پڑھائی، جس میں نشہ کی وجہ سے قرائت غلط ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت ''لا تقربوا الصلوة وانتم سکاریٰ'' نازل فرمائی۔ بعد ازاں بطورِ خاص حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں جسارت کی ہے۔ ڈاکٹر موصوف کے اس بیان پر مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے اور اضطراب ہوا، ملک بھر میں محبان علی علیہ السلام نے وسیع پیمانے پر مظاہرے کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔ ڈاکٹر اسرار احمد سے مزید وضاحت کے لیے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے ایک تحریر میں یہ موقف اختیار کیا کہ:

''جس واقعے کا ذکر ہوا ہے اس کا تذکرہ تفسیر ابن کثیر میں ہے اور تفسیر ابن جریر میں بھی، مزید برآں یہ سنن ابی داؤد میں بھی مذکور ہے اور جامع ترمذی میں بھی اور اسے دور حاضر کے محدث اعظم علامہ ناصر الدین البانیؒ نے بھی اپنی تالیف ''مجموعۃ احادیث الصحیحہ'' میں شامل کیا ہے اور عہد حاضر کے اہم مفسر قرآن مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے بھی اسے سورۃ النساء کی آیت 43 کے شان نزول کے ضمن میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ''ترمذی میں حضرت علیؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کر رکھی تھی۔ جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب حضرات کھا پی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، اور حضرت علیؓ کو امام بنا دیا گیا، ان

سے نماز میں ''قل یا ایھا الکافرون ......'' کی تلاوت میں بوجہ نشہ سخت غلطی ہوگئی اس پر یہ آیت نازل ہوئی،، غالباً اسی سے ملتی جلتی کوئی بات میں نے کہی ہوگی جس پر ناپسندیدگی یا بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے، حالانکہ اس سے ہرگز نہ حضرت علیؓ پر کوئی حرف آتا ہے نہ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ پر اس لیے کہ یہ واقعہ حرمتِ شراب کے آخری اور قطعی حکم سے پہلے کا ہے جو سورۃ المائدہ کی آیات نمبر 90 تا 92 میں نازل ہوا ہے اور وہیں آیت نمبر 93 میں یہ وضاحت موجود ہے کہ کسی شے کی حرمت کے قطعی اور حتمی حکم سے قبل اہلِ ایمان نے جو کھایا پیا ہو اس پر کوئی گرفت نہیں ہوگی!''

سابقہ الہامی مذاہب میں شراب حرام تھی

قبل اس کے کہ مذکورہ بالا روایت کا علمی اور فنی لحاظ سے جائزہ لیا جائے اس حقیقت کا اظہار لازم ہے کہ تمام سابقہ ادیان میں جو الہامی مذاہب تھے ان میں شراب حرام تھی، کسی دین میں بھی اس کے جواز کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، چنانچہ بائبل کتاب استثناء باب ۲۱ جملہ نمبر ۲۰--۲۱ سے واضح ہوتا ہے کہ والدین کے نافرمان ضدی، سرکش اور شرابی اولاد کو بھی سنگسار کر دیا جائے الفاظ یوں ہیں:

''......وہ اس شہر کے بزرگوں سے عرض کریں کہ یہ ہمارا بیٹا ضدی اور گردن کش ہے یہ ہماری بات نہیں مانتا اور اڑاؤ اور شرابی ہے تب اس کے شہر کے سب لوگ اسے سنگسار کریں کہ وہ مر جائے یوں ایسی برائی کو اپنے درمیان سے دور کرنا، تب سب اسرائیلی سن کر ڈر جائیں گے''۔

یسعیاہ باب ۵ جملہ نمبر ۱۱ بعنوان ''خطا کاروں پر افسوس'' کے ذیل میں لکھا ہے:

''افسوس ان پر جو صبح کو اٹھ کر نشے کی تلاش کرتے ہیں اور رات کو دیر تک جاگتے ہیں جب تک مے ان کو بھڑکا نہ دے وہ بربط اور سارنگی اور خنجریوں اور بانسری اور ضیافتوں کی مے نوشی میں غرق ہو کر خداوند کے کام پر توجہ نہیں کرتے۔''

ایضاً باب نمبر ۵ جملہ ۲۲،۲۳ یوں ہے:

''افسوس ان پر جو مے نوشی میں بہادر اور نشوں کے ملانے میں دلیر ہیں۔ جو رشوت کے باعث شریر کو پاک ٹھہراتے اور صادق سے اس کا حق لے لیتے ہیں۔''

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سابقہ شریعتوں میں شراب کی ممانعت موجود اور معاشرے میں اسے برا سمجھا جاتا تھا نیز معمولی علم رکھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ محرف ہونے کے باوجود ''بائبل'' میں شراب نوشی کی اتنی مذمت اور شدید سزا تجویز کی گئی ہے، تو مندرجہ بالا عبارت اس امر کی ناقابلِ تردید دلیل ہے، کہ دینِ ابراہیمی جو تمام عربوں کا دین تھا اس میں شراب کی حرمت اور مذمت ہر لحاظ سے واضح ہوگئی، انسانی تاریخ کا اگر اعماقِ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت آفتاب نیمروز کی طرح آشکار ہو جاتی ہے کہ عربوں بالخصوص قریش میں سے جو دینِ ابراہیم علیہ السلام پر قائم تھے اور اس میں پیدا شدہ تحریفات یعنی بت پرستی، زنا، شراب نوشی اور جوا وغیرہ سے بالکل اجتناب کرتے اور ان کو حرام اور ممنوع سمجھتے تھے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ان سے محفوظ رکھا۔ البتہ ایسے عظیم لوگ جو ایسے قبیح اور رذائل سے مبرا ہوتے ہیں ان کی تعداد ہر دور میں بہت ہی کم رہی ہے اس سلسلے میں مستند اور معتبر مورخین کی تصریحات موجود ہیں۔ مشہور اہلحدیث عالم صفی الرحمٰن مبارک پوری جن کا حال ہی میں ۱۵ ذوالقعدہ ۱۴۲۷ھ میں انتقال ہوا، سیرت نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سعودی حکومت سے اول انعام یافتہ کتاب ''الرحیق المختوم'' اردو ترجمہ صفحہ ۷ مطبوعہ مکتبہ سلفیہ لاہور میں ''جاہلی معاشرے کی چند جھلکیاں'' دکھاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''زنا کاری تمام طبقات میں عروج پر تھی کوئی طبقہ یا انسانوں کی کوئی قسم اس سے مستثنیٰ نہ تھی، البتہ کچھ مرد اور کچھ عورتیں ایسی ضرور تھیں جنہیں اپنی بڑائی کا احساس اس برائی کے کیچڑ میں لت پت ہونے سے باز رکھتا تھا''

کاش! مبارکپوری صاحب ان مرد وخواتین میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی ہی ذکر کردیتے تو یہ ابہام رفع ہوسکتا تھا اگرچہ انہوں نے اختصار کے مدنظر ان مرد وخواتین کی نشاندہی نہیں کی لیکن تاریخ بتاتی ہے کہ بنو ہاشم اور ان کے علاوہ دیگر نیک بخت لوگ زنا اور شراب نوشی جیسے کبائر سے مکمل طور پر دور تھے اس اجمال کی قدرے تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ مفتی احمد بن زینی دحلان مکی متوفی ۱۳۰۴ھ نے ''السیرة النبویة'' میں اور الشیخ علی بن برہان الدین حلبی متوفی ۱۰۴۴ھ نے ''السیرة'' حضرت قصی کے تذکرہ کے ذیل میں تحریر کیا ہے:

''فلما احتضر قال لاولاده اجتنبوا الخمر فانها تصلح الابدان وتفسد الاذهان'' جب حضرت قصی بن کلاب کی وفات قریب ہوئی تو انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی کہ شراب سے اجتناب کرنا کیونکہ یہ بدن کو تو درست کرتی ہے لیکن ذہن کو برباد کردیتی ہے۔

(السیرة النبویہ جلد ۱ صفحہ ۲۳، السیرة الحلبیہ ج ۱ صفحہ ۱۳)

حضرت قصیؒ حضرت عبد منافؒ کے باپ اور حضرت ہاشمؒ کے دادا تھے انہیں کے پوتے حضرت عبد المطلبؒ تھے جو حضرت حمزہؓ اور حضرت ابوطالبؑ وغیرہ کے باپ تھے حضرت عبد مناف کی اولاد میں حضرت ہاشم ہی دراصل ان کے حقیقی جانشین تھے وہ بھی اپنی نیکی، پارسائی اور تقویٰ میں شہرت رکھتے تھے حضرت ہاشمؒ کی اولاد میں سے حضرت عبد المطلبؒ اپنے والد کے جانشین تھے جن کی تقدس مآب پیشانی سے آثار بزرگی وجلالت اور علامات ورع وتقویٰ نمایاں تھے جن کے خطبات توحید نے اہل شرک ونفاق کے دل ہلا کر رکھ دیئے ان کی کرامات اور بزرگی اسلامی تاریخ کے اوراق میں درج ہیں حتیٰ کہ ابرہہ کے بڑے ہاتھی نے بھی جھک کر حضرت عبد المطلب بن ہاشمؒ کو سلام کیا تھا۔

خاندانِ بنو ہاشم کے ہاں شراب حرام تھی

محدث شہیر محمد بن عبد الباقی الزرقانی متوفی ۱۱۲۲ھ نے علامہ قسطلانی کی کتاب ''مواہب لدنیہ'' کی نہایت عمدہ اور مفصل شرح میں خاندان بنی ہاشم کے حالات میں اس امر کی تصریح یوں کی ہے:

وكان (عبد المطلب) يأمر اولاده بترك الظلم و البغي و يحثهم على مكارم الاخلاق و ينهاهم عن دنيات الامور و تؤثر عنه سنن جاء بها القرآن والسنة كالوفاء بالنذر والمنع من نكاح المحارم و قطع يد السارق والنهي عن قتل الموؤدة و تحريم الخمر والزنا وان لايطوف بالبيت عريان،

''حضرت عبد المطلب اپنی اولاد کو ظلم وسرکشی سے منع کیا کرتے تھے انہیں مکارم اخلاق کی

ترغیب دیتے اور کمینے کاموں سے روکتے تھے آپ سے ایسی باتیں مروی ہیں جن کا حکم قرآن وسنت نے دنیا کو دیا مثلاً نذر کی وفا کرنا، محرمات سے نکاح کا ناجائز ہونا، چور کے ہاتھ کاٹ ڈالنا، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کی ممانعت، شراب وزنا کی حرمت اور یہ کہ بیت اللہ کا ننگے ہو کے طواف نہ کیا جائے"۔ (شرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ جلد اصفحہ ۸۲ المطبعۃ العامرۃ الازھریۃ قاہرہ ۱۳۲۹ھ)

بعینہ اسی طرح "سیرت حلبیہ" جلد اول صفحہ ۱۴، ۱۱۳ طبع قاہرہ، بلوغ الارب فی معرفۃ احوال العرب للعلامۃ آلوسی جلد اول صفحہ ۳۵۵ مطبوعہ بغداد ۱۳۱۴ھ میں بھی موجود ہے ان کو دیکھا جاسکتا ہے۔

البتہ ان آخری دو کتابوں میں "فی آخر عمرہ" (حضرت عبدالمطلب آخری عمر میں یہ عقائد رکھتے تھے) کے الفاظ کا اضافہ محل نظر ہے کیونکہ حضرت قصی کی وصیت اس توہم کی نفی کرتی ہے بلاشبہ حضرت عبدالمطلب کی اولاد اپنے جد اعلیٰ کی وصیت پر عمل پیرا ہو تسلسل سے پورے جزم ویقین کے ساتھ دین ابراہیمی پر کاربند اور ان ہی عقائد کو اپنائے ہوئے تھی۔

اس کے علاوہ "شرح بہجۃ المحافل" للاشخر الیمنی جلد اول صفحہ ۲۷۹ طبع بیروت اور اسنی المطالب صفحہ ۵۸ المطبعۃ الخیریۃ مصر میں حضرت عبدالمطلب کے متعلق حسب ذیل عبارت موجود ہیں:

وکان ممن حرم الخمر علی نفسہ "آپ ان افراد سے تھے جنہوں نے اپنے اوپر شراب حرام کر لی تھی"۔

یہی بات علامہ زرقانی نے شرح المواہب میں اس طرح کہی ہے: **شیخ البطحاء عبدالمطلب مستجاب الدعوۃ محرم الخمر علی نفسہ** (جلد اول صفحہ ۱۷) مستجاب الدعوات ہونا ہی ان کے بارگاہ ربوبیت میں مقبول ہونے کی دلیل ہے۔

جب نزول قرآن اور اشاعت اسلام سے پہلے حضرت عبدالمطلبؑ نے اپنی روحانیت کی شعاعوں میں ان عیوب کو اپنی آغوش کے پروردہ افراد سے الگ رکھا، شراب کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا اور دیگر معائب کو دنیا سے ختم کرنے کی کوشش کی تھی، تو خدارا انصاف سے بتایئے! ان کے متعلق کیسے کہا جائے کہ ان کے تربیت یافتہ جو اسلام کے عہد میں پرورش پا رہے تھے جن کی نگرانی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کر رہے تھے اور جن کی تربیت بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی، یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ شراب پئیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عبدالمطلبؑ کے بہت سے اچھے کاموں کو خدا نے پسند فرمایا اور ان کو احکام اسلام کا حصہ بنایا جن میں چند درج ذیل ہیں:

۱۔ حضرت عبدالمطلبؑ نے بت پرستی کو برا سمجھا، قرآن کریم نے بھی منع کیا۔

۲۔ آپ نے توحید باری تعالیٰ کو اپنا نصب العین قرار دیا، اسلام نے یہی درس دیا اور قرآن مجید نے یہی بتایا ہے۔

۳۔ آپ نے ماں بہن بیٹیوں وغیرہ محرمات سے نکاح کو حرام قرار دیا، قرآن نے بھی ایسا ہی حکم دیا۔

۴۔ آپ نے لڑکیوں کے زندہ درگور کرنے کی شدید ممانعت کی، قرآن نے بھی یہی کہا۔

۵۔ آپ نے چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم نافذ کیا، قرآن کو بھی یہی پسند آیا۔

۶۔ آپ نے شراب کو حرام کر دیا، قرآن نے بھی حرمتِ خمر کا اعلان کیا۔

ایسی واضح تصریحات کے بعد بھی انصاف وعقل کی دنیا میں کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلا استثناء سب کے سب شراب پیتے رہے حاشا وکلا۔ آپ ان مستند تاریخی حوالوں پر غور کرنے کے بعد یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مولائے کائناتؑ کے آبا واجداد سب کے سب ایماندار اور دین ابراہیمی پر تھے وہ شراب اور دیگر خبائث سے محفوظ اور کبھی کفر کا ارتکاب نہیں کیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے صرف اسی موضوع پر ۹ عدد کتب تصنیف کی ہیں جو حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہیں ان ہی میں سے اپنی ایک کتاب "مسالک الحنفاء" صفحہ ۹ پر لکھتے ہیں: ان اباء النبی صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن فیھم مشرک "نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء و اجداد میں ایک بھی مشرک نہیں تھا"۔

ان تاریخی حقائق کو ذکر کر دینے کے بعد اب یہاں کسی مزید تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کی پہلی گھٹی لعابِ دہنِ پیغمبرؐ تھی

ٹی وی کے مذکورہ بالا خطاب میں موصوف نے نہایت غیر ذمہ دارانہ اور گستاخانہ الفاظ استعمال کیے کہ شراب صحابہ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ واضح رہے کہ حضرت عبد المطلبؑ کے بعد ان کے منصب بزرگی وتقویٰ میں حضرت ابوطالبؑ جانشین ہوئے جن کو باری تعالیٰ نے ہر طرح کی غیر معمولی طاقتوں سے نواز رکھا تھا، آپ نے اپنے اوپر شراب کو

قطعاً حرام کیا ہوا تھا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات زندگی پر مشتمل مشہور و مستند کتاب "السیرۃ النبویۃ بھامش انسان العیون" جلد اول صفحہ ۹۱ پر یوں تحریر ہے:

وکان ابو طالب ممن حرم الخمر علیٰ نفسہ فی الجاھلیۃ کأبیہ عبد المطلب "حضرت ابوطالبؑ اپنے باپ عبدالمطلبؑ کی طرح زمانہ جاہلیت میں (بھی) شراب کو اپنے اوپر حرام کیے ہوئے تھے" کذا فی: السیرۃ الحلبیۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۳) اور آپ نے ہی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش وتربیت کی اور بعد از اعلانِ نبوت نہ صرف قریش بلکہ تمام عربوں کے مقابلے میں پوری استقامت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا، حضرت ابوطالب کی اولاد میں سے حضرت علی علیہ السلام تھے جو سید الکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ساری مخلوق سے اعلیٰ واشرف اور اکمل ترین فرد ہیں، جن کی پرورش کی ذمہ داری خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب عبادت الٰہی کے لئے غار حرا میں تشریف لے جاتے تو حضرت علیؑ کو بھی اکثر اپنے ہمراہ لے جاتے تھے چنانچہ جس طرح حضرت علی علیہ السلام نے ولادت کے مرحلہ پر بھی اس وقت تک آنکھ نہ کھولی جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی آغوش میں نہ لیا، پیدا ہوتے ہی چہرہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا، چنانچہ آپ نے نومولود کو اپنی گود میں لے کر اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں ڈالی اور آپ نے دیر تک پہلی غذا یعنی گھٹی حاصل کی، حضرت علی علیہ السلام کی پہلی پہلی گھٹی یہی لعاب دہن مبارک تھا نہ کہ شراب بلکہ دیگر جائز اور حلال چیز بھی نہ تھی، علامہ محمود بن عمر زمخشری متوفی ۵۲۸ھ نے "خصائص العشرۃ الکرام صفحہ ۱۰۳ طبع بغداد" میں اور مفتی دحلان مکہ نے "السیرۃ النبویہ" میں اس کا بڑے شد ومد سے ذکر کیا ہے۔ اسی گھٹی کا ہی اثر تھا کہ آپ

نے اپنی پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کا آئینہ بنا دیا۔

گھٹی میں شراب......؟

گھٹی میں شراب کی بات عام لوگوں کے بارے میں تو درست ہے لیکن بہت سے موحدین دورِ جاہلیت میں اس برائی سے پاک تھے جیسا کہ شرک و بت پرستی سے دور تھے بالخصوص خاندانِ بنی ہاشم میں سے سرکردہ متقی اور پرہیزگار لوگ ان برائیوں سے اجتناب کیا کرتے تھے اس لئے کہ دینِ ابراہیمی کی بنیادی خصوصیات کو یہ لوگ محفوظ رکھے ہوئے تھے اور ان ہی پر عمل پیرا تھے، نیز یہ بھی واضح ہو کہ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں محدثین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ: لم یکفر طرفۃ عین "آپ نے ایک لمحہ کے لئے بھی کفر و شرک نہیں کیا"۔ (کنز العمال ج ۶ صفحہ ۱۵۲ طبع دکن، سیرۃ حلبیہ ج ۱ صفحہ ۲۵۷ طبع مصر)

مزید برآں اس سلسلہ میں علامہ عبدالحمید بن ہبۃ اللہ بغدادی متوفی ۶۵۵ھ نے بڑے پتے کی بات کہی:

ولم یجر علیہ اسم شریک ولا شرب خمر "حضرت علیؑ پر کبھی نہ شرک کا الزام لگا اور نہ ہی شراب پینے کا اتہام" (شرح ابن ابی الحدید ج ۱ صفحہ ۷ مطبعہ میمنیہ مصر)

آپ کو شراب سے اس قدر نفرت تھی کہ ایک موقع پر خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: لو وقعت قطرۃ فی بئر فبنت مکانہا منارۃ لم اوذن علیہا ولو وقعت فی بحر ثم جف ثم نبت فیہ الکلاء لم ارعہ "اگر شراب کا ایک قطرہ کنویں میں گر

پڑے اور اس پر کوئی منارہ بنایا جائے تو میں اس پر اذان کبھی نہ کہوں اور اگر کوئی قطرہ دریائے ناپیدا کنار میں گرے پھر وہ دریا خشک ہو جائے پھر اس پر گھاس اُگے تو میں اس پر (بھیڑ بکریوں کو) نہ چراؤں"۔

(ملاحظہ ہو! تفسیر لباب التاویل للخازن الشافعی جلد ۱ صفحہ ۱۵۷ مطبعۃ التقدم مصر)

اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ شراب سے اتنی نفرت کرنے والی عظیم شخصیت کے متعلق کیا یہ ہرزہ سرائی کی جا سکتی ہے کہ نعوذ باللہ انہوں نے شراب نوشی کی پھر اسی حالت میں نماز پڑھائی؟ فیا اسفا۔

حضرت علیؑ کی طرف اس بات کی نسبت دینا ہی کفر ہے۔ اور پھر ظلم بالائے ظلم یہ کہ حضرت علی بن ابی طالب علیہما السلام پر شراب نوشی کا الزام لگا دیا اور اس میں ذرہ بھر شرم محسوس نہ کی، گویا یہ الزام حضرت علی علیہ السلام پر نہیں بلکہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ہے۔ (العیاذ باللہ)

ع — ایں ہمہ غوغوسگاں نسبت بنور افشانی ماہ است

علاوہ بریں حضرت علی علیہ السلام آیت تطہیر کے مصداق ہیں حتیٰ کہ حافظ ابن تیمیہ الحرانی متوفی ۷۲۸ھ نے اپنے فتاویٰ میں یہ حقیقت نہایت صریح بیان کر دی ہے کہ حضرت علیؑ کا اہل بیت سے ہونا ایک ایسا امر ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ اتنا واضح ہے جو کسی دلیل کا محتاج نہیں۔ بل ھو افضل اھل البیت وافضل بنی ھاشم بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے افضل ترین فرد

ہیں۔(الفتاوی الکبری جلد ا صفحہ ۵۵ طبع بیروت) پوری کائنات میں سب سے افضل خاندانِ بنی ہاشم ہے نبی مکرم علیہ الصلوۃ والتسلیم بنی ہاشم میں سب سے افضل، اور بعد النبیؐ تمام مخلوق سے افضل آپ کی اہلِ بیتِ اطہار ہے اور اہل بیت و بنی ہاشم میں سب سے علی بن ابی طالبؑ افضل ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے تو بعد از پیغمبرؐ افضلیت کا مسئلہ ہی حل کر دیا ہے اور تطہیر اللہ تعالیٰ کا تکوینی ارادہ ہے جس میں کسی زمانے کی قید نہیں ہے، اب یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ حضرات قدسیہ پہلے رجس میں مبتلا ہوں اور بعد میں ان کو پاک کیا گیا ہو، جن افراد کو اللہ تعالیٰ نے دیگر افراد بنی نوع انسان کے لئے رہنما کی حیثیت سے پیش کرنا ہو ان کی تربیت بچپن ہی سے اسی طرح ہوتی ہے کہ کوئی شخص ان کے کردار پر انگشتِ تنقید اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا، کل تک خود شراب نوشی کریں اور آج دوسروں کو شراب نوشی پر سزا کس منہ سے دیں۔

واقعہ مباہلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف حضرت علی علیہ السلام کو "انفسنا" کا مصداق ٹھہرا کر انہیں اپنے ساتھ لے کر گئے تھے، جن لوگوں نے کل تک شرک و بت پرستی اور شراب، جوا و زنا جیسے قبیح افعال کا ارتکاب کیا ہو وہ اس فیصلہ کن مرحلہ پر ساتھ نہیں دے سکتے تھے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "لا یقاس بنا آل محمد احد" "ہم اہلبیتؑ کے ساتھ کسی دوسرے شخص کا قیاس نہیں کیا جاسکتا، جب احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے صاحبزادے عبداللہ نے اپنے باپ احمد بن حنبل سے تفضیل صحابہؓ کے بارے میں پوچھا تو کہا خلافت میں ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ ہیں یہ سن کر ان کے صاحبزادے نے عرض کیا اور علی بن ابی طالبؑ؟ تو انہوں نے صاف صاف بتا دیا: یا بُنَیَّ علی بن ابی

طالب من اهل بیت لا یقاس بهم احد "اے بیٹے! حضرت علی بن ابی طالب اہل بیت سے ہیں ان کے ساتھ کسی کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ (مناقب الامام احمد لابن الجوزی صفحہ ۱۶۳ مطبعۃ السعادہ مصر، التمہید والبیان فی مقتل الشہید عثمانؓ صفحہ ۲۷ طبع بیروت) نہ ہی موازنہ اور مقابلہ کیا جاسکتا ہے لہٰذا اہلِ بیت علیہم السلام کا معاملہ دیگر امت اور صحابہ کرامؓ سے علیحدہ ہے دراصل بنیادی غلطی یہیں سے شروع ہوتی ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیتؑ کا دوسروں سے قیاس و موازنہ کیا جاتا ہے اور دوسروں کو ان کا ہم پلہ سمجھا جاتا ہے بہرحال بات وہی ہے کہ:

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج   تا ثریا می رود دیوار کج

حالانکہ یہ بات نصوص قطعیہ اور دلائل صریحہ کے سراسر خلاف ہے۔

من گھڑت روایات کی کثرت

ڈاکٹر صاحب نے جن کتب اسلامیہ کا حوالہ دیا ہے ان کتب میں روایات، ناصبی و اسرائیلی راویوں سے لی گئی ہیں اسے ہی ڈاکٹر صاحب "فقہ ملوکیت" قرار دیتے ہیں یہ فقہ ملوکیت انہی کتب میں درج روایات سے اخذ کی گئی ہیں ان کتب میں نہ صرف اہلِ بیتؑ کو دیگر افرادِ امت پر قیاس کیا گیا ہے بلکہ ان کو آل محمد علیہم السلام پر ترجیح دی گئی ہے ان کتب میں اس طرح کی روایات کا پایا جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہے درحقیقت یہ روایات فقہ ملوکیت کو درست قرار دینے کے لئے وضع کی گئی ہیں، اس کے علاوہ چونکہ بنو امیہ کو بنو ہاشم بالخصوص حضرت علیؑ سے شدید عداوت تھی جب عداوت و کدورت اپنے انتہائی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تو انہوں نے مکر و فریب کے سہارے سے حضرت علی علیہ السلام کی بلند و بالا شخصیت

کو گھٹانے کے لئے ان کی تنقیص میں طرح طرح کے اکاذیب و اباطیل اور بہت سی روایات وضع کیں، اموی حکمرانوں نے اپنی بدکرداری جس میں شراب نوشی کی عادت شامل تھی کو جائز قرار دینے کے لئے جہاں دیگر روایات گھڑی ہیں وہاں حضرت علی علیہ السلام پر بھی شراب نوشی کے الزام کی روایات گھڑ ڈالیں کچھ نادان مؤلفین نے انہیں اخذ کیا اور اپنی کتابوں میں داخل کر کے تاریخ کا ایک اور سیاہ باب قائم کر دیا[1]۔ لہٰذا یہ روایت بھی ان ہی روایات میں سے ایک ہے جو سراسر وضعی، خود ساختہ اور من گھڑت مرجوح و غیر مقبول اور حقائق کے بالکل خلاف ہے یہ روایت سنن ابی داؤد ص ۶۲۲ کتاب الاشربۃ حدیث ۳۶۶۸ طبع بیروت اور سنن ترمذی کتاب التفسیر ص ۱۱۶۴ حدیث نمبر ۳۰۲۶ طبع دار المعرفۃ بیروت وغیرہ کتب میں پائی جاتی ہے۔ اور بموجب ''لکل ضلۃ علۃ'' ہر گمراہی کی کوئی نہ کوئی علت ہوا کرتی ہے حضرت علی علیہ السلام کی اس توہین کا سبب اور علت یہی روایت بیان کی جاتی ہے۔

(۱) لیکن حضرت علیؑ کے فضائل میں وارد احادیث معتبرہ کو بڑی تندی کے ساتھ نظر انداز کر دیا چنانچہ محدث ابن قتیبہ الدینوری متوفی ۲۷۶ھ نے اس افسوسناک پہلو کو یوں بیان کیا ہے: واھملوا من ذکرہ او روی حدیثا من فضائلہ حتی تحامی کثیر من المحدثین ان یتحدثوا بھا و عنوا بجمع فضائل عمرو بن العاص و معاویۃ کانھم لا یریدونھم بذلک و انما یریدونہ ''اور جو کوئی حضرت علیؑ کا ذکر کرے یا ان کے فضائل میں سے کوئی حدیث روایت کرے تو اسے جان بوجھ کر متروک کر دیتے ہیں حتی کہ محدثین نے حضرت علیؑ کے فضائل بیان کرنے سے پہلو تہی کی ہے عمرو بن عاص اور معاویہ کے فضائل جمع کرنے پر عنایت کی ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمرو اور معاویہ کے فضائل کا ارادہ نہیں بلکہ تنقیص علیؑ کا ارادہ رکھتے ہیں۔'' (الاختلاف فی اللفظ والرد علی الجھمیۃ والمشبھۃ صفحہ ۴۸ طبع مکتبہ القدسی قاہرہ)

انتہائی ستم ظریفی دیکھئے کہ ہر دور کے محدثین و مؤرخین اور اہل قلم حضرت علی بن ابی طالب علیہم السلام کے کمالات علیہ کو پوری مستعدی سے مخفی رکھنے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہی صورت حال آپ کے سامنے ہے۔

زیر بحث روایت کی سند

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم آپ کے سامنے اس روایت کی پوری اسناد پیش کر دیں جو امام ترمذی و امام ابو داؤد نے بیان کی ہے۔ لیجئے! پہلے ذرا اس روایت کی سند پر سرسری نظر فرمائیں:

(الف): حدثنا عبد بن حمید حدثنا عبدالرحمن بن سعد عن ابی جعفر الرازی عن عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی بن ابی طالب .... (سنن ترمذی)

''عبد بن حمید نے عبدالرحمن بن سعد سے، انہوں نے ابو جعفر رازی سے، انہوں نے عطاء بن سائب سے اور انہوں نے ابو عبدالرحمن سلمی سے، اس نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ......''

(ب): حدثنا مسدد قال اخبرنا یحیی عن سفیان قال اخبرنا عطاء بن السائب عن ابی عبد الرحمن السلمی عن علی بن ابی طالب...... (سنن ابی داؤد)

''مسدد نے یحییٰ سے، انہوں نے سفیان سے، انہوں نے عطاء بن سائب سے اور انہوں نے ابو عبدالرحمن سلمی سے اس نے حضرت علی بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ......''

واضح ہو کہ اس روایت کے مرجوح اور ناقابل احتجاج ہونے کی ایک وجہ یہ کہ

تمام کتب میں اس زیر بحث روایت کے سلسلہ اسناد میں مرکزی راوی ابو عبد الرحمن السلمی ہے جس کا پورا نام عبد اللہ بن حبیب بن ربیعہ سلمی ہے اس کی وفات ۷۲ (بہتر) ہجری میں بشر بن مروان کے عہد حکومت میں ہوئی حافظ ابو حاتم رازی کہتے ہیں: لیس تثبت روایتہ عن علی رضی اللہ عنہ ،اس کی روایت جناب امیر علیہ السلام سے ثابت نہیں ہے (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۸۴ طبع حیدر آباد دکن الطبعۃ الاولی ۱۳۲۶ھ) اس قول کی بنا پر یہ روایت منقطع ہے بہر صورت انقطاع کم ہو یا زیادہ یہ روایت کی حجیت کے لیے قادح ہے اگر بفرض محال روایت ثابت ہو ہی جائے تب بھی اس کی بیان کردہ روایت قابل قبول نہیں ہے کیونکہ یہ شخص جناب امیر علیہ السلام کا زبردست مخالف اور ان کی اعلانیہ تنقیص کیا کرتا تھا لیجیے اس سلسلے میں امام بخاری متوفی ۲۵۶ھ کا بیان قابل استناد ہے انہوں نے نہایت واشگاف لفظوں میں اس کا دشمن علی ہونا بتایا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابی عبدالرحمن و کان عثمانیاً فقال لابن عطیۃ و کان علویاً انی علم ما الذی جرأ صاحبک علی الدماء۔

''ابو عبد الرحمن سلمی جو عثمانی تھا حبان ابن عطیہ سے کہا جو علوی تھا کہ تیرے صاحب (حضرت علیؑ) کو اس قدر خون ریزی کرنے کی جرأت جس وجہ سے ہوئی ہے میں جانتا ہوں''۔(صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ کتاب الجہاد باب اذا اضطر الرجل الی رتی شعور اہل الذمۃ)

بعض محقق شارحین نے بخاری شریف کی اس روایت کے ذیل میں یہ

وضاحت کی ہے کہ ''ابو عبد الرحمن سلمی کا یہ کلام صریح بے ادبی ہے حضرت علیؓ سے، آپ نے جو خوارج اور باغیوں کو قتل کیا وہ بموجب امر الٰہی تھا نہ اس وجہ سے کہ آپ کو اپنے بہشتی ہونے کا یقین تھا اور اس یقین کے بھروسے پر آپ خلاف شرع کام کرتے رہے''۔

(تیسیر الباری شرح صحیح البخاری صفحہ ۵۵ پارہ نمبر ۱۲ طبع احمدی لاہور)

اس کی رگ ناصبیت پھڑک اٹھی اور حضرت علیؓ کے بارے میں گستاخی و بے ادبی کی نہایت ذلیل جسارت کرتے ہوئے ان پر خون ریزی کا اتہام لگا دیا۔ اس کے یہ گستاخانہ کلمات ناصبی ذہنیت کی پیداوار ہیں، پھر یہ بات ناقابل فہم ہے کہ جو شخص کھلم کھلا تنقیص علیؓ جیسے فعل شنیع کا مرتکب ہوا ہو، اسے قابل اعتماد و استناد اور ثقہ گردانا کہاں کا انصاف ہے جبکہ اس شخص کا ناصبی ہونا مسلّم ہو چکا ہے۔ اس ضمن میں ایک دوسرا حوالہ بھی ملاحظہ فرمالیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:
شھد مع علی رضی اللہ عنہ صفین ثم صار عثمانیا ''یہ شخص جنگ صفین میں حضرت علیؓ کے ہمراہ تھا، بعد ازاں عثمانی (ناصبی) ہو گیا تھا''۔(تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۱۸۴)

لفظ ''عثمانی'' کی وضاحت

یہاں لفظ ''عثمانی'' کی وضاحت کرتا چلوں وہ یہ کہ قتل عثمانؓ کے فوراً بعد مسلمانوں کے دو گروہ معرض وجود میں آ گئے تھے ایک ''علوی'' اور دوسرا ''عثمانی'' جو لوگ حضرت علی المرتضیٰ علیہ السلام اور ان کی اولاد اطہار کے محب اور حامی و طرفدار تھے ان کو علوی کہا جاتا

تھا اور جو لوگ حضرت علی علیہ السلام کے دشمن اور زبردست مخالف یا ان مخالفین کے حامی تصور کیے جاتے تھے وہ عثمانی کے نام سے موسوم تھے اور اصطلاح میں انہیں ''ناصبی'' کہا جاتا ہے جیسا کہ علامہ ذہبی نے سیر اعلام النبلاء اور جاحظ نے کتاب العثمانیہ (۱) میں اس کی وضاحت کی ہے۔ بنابریں عثمانی یعنی ناصبی راوی اگر حضرت علی علیہ السلام کی مذمت میں روایت کرے تو یہ کس طرح قبول کی جاسکتی ہے؟ بلکہ اس پر اعتماد کرنا غضب باری تعالیٰ کا باعث ہے اور عندالمحققین یہ طے شدہ اصول ہے کہ ناصبی سے مروی روایت ناقابل اعتماد ہوتی ہے چہ جائیکہ وہ روایت جس میں اہل بیت علیہم السلام کی توہین و تحقیر کا پہلو پایا جائے وہ بدرجہ اتم لائق التفات و اعتبار نہ ہوگی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۴ھ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''جمع الوسائل شرح الشمائل'' جلد ۲ ص ۲۶۴، مطبوعہ مصر میں امام میرک حنفی کا قول نقل کیا ہے:

الرجل المرمیٰ بالنصب لیس بثقة ولا کرامة له بل هو معلون کذاب علیه لعنة الله و والملائکة والناس اجمعین،

(۱) دوسری اور تیسری صدی ہجری کے مشہور عالم ابو عثمان عمرو بن بحر الجاحظ کی شہرۂ آفاق کتاب ''العثمانیہ'' مطبوعہ دمشق ہمارے پیش نگاہ ہے انہوں نے اس میں عثمانیوں کے عقائد و نظریات پر تفصیلی گفتگو کی ہے پوری کتاب لائق مطالعہ ہے ہم یہاں پر ان کی صرف ایک عبارت ہدیۂ قارئین کیے دیتے ہیں چنانچہ اپنی اس معرکۃ الآراء تصنیف کے صفحہ ۲۶۷ پر رقمطراز ہیں: و قد تعلمون انه لم یکن فی الارض عثمانی الا تعلمون انه منکر لامامته و هم اکثر عدداً و اکثر هم فقیها و محدثا ''اور تمہیں معلوم ہی ہے کہ روئے زمین پر کوئی عثمانی نہیں ہے مگر وہ اس (حضرت علی علیہ السلام) کی امامت کا منکر ہے اور عثمانی تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور ان کے فقہاء و محدثین بھی زیادہ ہیں''۔
ہم جاحظ کی مندرجہ بالا عبارت پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں کیونکہ یہ خود واضح اور غیر مبہم ہے کسی مزید بیان اور وضاحت کا محتاج نہیں ہے۔

''جس شخص کو ناصبی قرار دیا جائے وہ قابل وثوق نہیں ہے اور اس کے لیے کوئی عزت نہیں بلکہ وہ ملعون اور کذاب ہے اس پر اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہو''۔

ان کے علاوہ برصغیر کے مشاہیر علماء میں سے شاہ عبدالعزیز الدہلوی نے ذرا کھل کر اس حقیقت کا اعتراف بایں الفاظ کیا ہے:

نزد اہل سنت بغض اہل بیت و امیرالمومنینؑ از قوادح صحت روایت است گو صاحب آن صادق القول و صالح العمل باشد،

''اہل سنت کے نزدیک اہل بیت اور امیر المومنین علیؑ سے بغض رکھنے والے کی روایت کی صحت باطل ہے اگرچہ وہ صادق القول اور صالح العمل ہی کیوں نہ ہو''۔ (تحفہ اثنا عشریہ صفحہ ۹۹ طبع ثمر ہند ۱۲۹۵ھ)

مزید برآں قاضی ابو محمد اندلسی متوفی ۵۴۶ھ پورے شد و مد سے اس روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے اس روایت کے ذیل میں لکھا ہے: هذا ضعیف ''یہ روایت ضعیف ہے''۔ (المحرر الوجیز فی تفسیر الکتاب العزیز جلد ۲ صفحہ ۵۶ طبع بیروت)

اب اس جھوٹی روایت کو حضرت علی علیہ السلام کی پاک ذات پر کیسے منطبق کیا جا سکتا ہے جو متعدد مفاسد کو مستلزم ہے اس میں دروغ بافی اور کذب بیانی کی انتہا کر دی گئی ہے۔

حضرت علیؓ کی کردار کشی کے لیے پروپیگنڈہ

علاوہ ازیں عداوتِ علیؓ کی بنا پر خود اس راوی کے تصرف و اوراج سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا تاہم یہ بات بلاشبہ ثابت ہے کہ یہ شخص اور اس کے ہم نظریہ اہل حکومت تو مسلسل حضرت علی ؓ کی کردار کشی کے لئے پروپیگنڈہ میں مصروف اور مذمت علیؓ میں جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کے لیے پورے شغف و انہماک سے کوشاں تھے حتیٰ کہ لعن وطعن سے بھی دریغ نہ کرتے، جس میں شک وشبہ کی ذرا بھر گنجائش نظر نہیں آتی جیسا کہ علامہ ابوالفتوح عبداللہ بن عبدالقادر تلیدی اپنے عمدہ الفاظ میں اس طرح اس کی تصویر کشی کرتے ہیں:

.... فی الاقالیم والامصار یسبون الامام علیاً رضی الله تعالیٰ عنه ویلعنونه علیٰ المنابر فی الجمع والاعیاد والمجامع والمناسبات ویأمرون الناس بذالک وینکرون علیٰ من لم یلعنه وینل منه مضافا ذالک منهم الیٰ محاربته وقتاله السالف قبل ذالک وقد صحت الاخبار بما قلنا فی دواوین السنة وکذب التاریخ

"ناصبی تمام صوبوں اور شہروں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر سب وشتم کرتے تھے، جمعہ، عیدوں جامع مسجدوں اور دیگر مواقع پر منبروں پر سے حضرت علیؓ پر لعنت کرتے اور گالیاں دیتے تھے دیگر لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتے تھے جو شخص حضرت علیؓ پر لعنت نہ کرتا اور گالیاں نہ دیتا اس کی مذمت کرتے تھے حالانکہ اس سے پہلے وہ ان (علیؓ) سے جنگ و جدال بھی کر چکے تھے، سنت (حدیث) کے دواوین اور کتب تاریخ میں ہمارے قول کی

تائید میں صحیح روایات موجود ہیں"۔

مذکورہ بالا عبارت اپنے مدلول کے لحاظ سے بالکل غیر مبہم ہے اس پر مزید تبصرے کی ضرورت نہیں، یہ تو ماضی کی تاریخ کا ایک ورق تھا جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے البتہ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ بعض مولویوں نے ناصبی راویوں کو بچانے کی خاطر اس سب وشتم کے وقوع سے انکار کیا ہے اس بات کا ذکر کر کے چند ہی سطروں کے بعد موصوف ان کے جواب میں اس حقیقت کے وقوع پر اجماع اور اس کی صحت کا اثبات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"..........رغم اجماع المورخین علیٰ وقوع ذالک وصحته فی دواوین السنة"

ان چند افراد کے انکار کے باوجود مؤرخین کا اس (حضرت علیؓ پر لعن، طعن کے) وقوع پر اجماع ہے اور حدیث کی کتب میں اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔

(الانوار الباہرہ بفضائل اہل البیت النبوی والذریۃ الطاہرۃ صفحہ ۴۲، ۴۵ طبع مکتبۃ الامام الشافعی الریاض السعودیۃ)

ان ناصبی خونخوار بھیڑیوں کی یہ وحشیانہ وسنگدلانہ کارروائی ایسی تھی کہ جس کی انسانی تاریخ میں مثال نہیں ملتی۔ یہ ایک بہت بڑا دردناک المیہ ہے جس پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے جس کے تصور سے انسانیت لرزہ براندام ہوجاتی ہے۔ بقول اندلسی شاعر صالح بن شریف الرندی:

حتی المحاریب تبکی و هی جامدة   حتی المنابر ترثی و هی عیدان

"صحرا میں بھی گریہ و بکا کر رہی ہیں حالانکہ وہ جامد ہیں منبر بھی مرثیہ خواں ہیں جبکہ وہ بے جان لکڑیوں کے سوا کچھ نہیں"۔

غرضیکہ مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ حضرت علیؓ اور ان کی اولادِ اطہار کے خلاف یہ دھندہ اور پروپیگنڈہ عروج پر رہا اور اب بھی جاری ہے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ناممکن ہے کہ طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ظلم و بربریت اور خون میں ڈوبی اس خوفناک داستان سے آج کے انسان کا کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ **و فعل بهم مالم يفعل في جميع الامم باشرار الخلق**۔

خارجیوں نے حضرت علیؓ پر شراب نوشی کا الزام لگایا

اسی پروپیگنڈہ کا معمولی حصہ یہ روایت ہے جس کا بنیادی راوی ناصبی دشمنِ علیؓ ہے مزید برآں اس روایت کے بارے میں امام حاکم نیشاپوری متوفیٰ ۴۰۵ھ کا فیصلہ بھی سن لیجئے انہوں نے اس روایت کے ذیل میں صاف اور واضح الفاظ میں لکھا ہے: ان **الخوارج تنسب هذا السكر وهذه القرأة الى امير المومنين علي بن ابي طالب دون غيره وقد برّاه الله منها فانه راوي هذا الحديث**

"خارجیوں نے شراب نوشی اور غلط قرأت پڑھنے کی نسبت حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب کی طرف کر دی ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے محفوظ رکھا، آپ تو صرف اس حدیث کے راوی ہیں"۔ (مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ طبع حیدر آباد دکن) نیز امام حاکم نیشاپوری کی اس تحقیق کو علامہ شمس الحق عظیم آبادی متوفیٰ ۱۳۲۹ھ نے سنن ابی داؤد کی مبسوط شرح "عون المعبود" جلد دوم صفحہ ۱۲۶۸ طبع سعودیہ حدیث نمبر ۳۶۷۱ کے ذیل میں نقل کیا ہے۔

روایت ترمذی کی فنی حیثیت

سنن ترمذی کی روایت کے ضمن میں یہ ملحوظ رہے کہ یہ روایت معیارِ صحت میں بالکل کمزور اور پایۂ اعتبار سے ساقط ہے کسی راوی کی روایت کو قبول کرنے کے لیے دو باتیں لازمی دیکھی جاتی ہے ایک اس کا تدیّن کہ فاسق و فاجر اور کذاب تو نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ وہ حافظہ کے اعتبار سے کیسا ہے نسیان کی کثرت، حافظہ کا خراب ہونا اور آخر عمر میں اختلاط، یہ سب علتیں اس راوی میں نہ پائی جائیں چنانچہ اس سلسلے میں اس روایت کی سند میں ایک راوی عطا بن سائب ہے جو ۱۳۶ھ میں فوت ہوا، یہ ابو عبد الرحمن السلمی سے روایت کرتا ہے اس پر کئی محدثین کی جرح منقول ہے اس ضمن میں حدیث کی تنقید و تحقیق کے لیے چند ماہرین فن کی آراء پیش کی جاتی ہیں ناقدین نے کہا کہ اس کا آخری عمر میں حافظہ خراب اور اختلاط کے عارضہ میں مبتلا ہو گیا تھا (الکواکب النیرات لابن کیال صفحہ ۶۰، ۶۱، ۳۱۹) اس باب میں اربابِ نقد و نظر کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے کہ عطاء کا حافظہ ٹھیک نہ تھا اور حدیث نقل کرنے میں بہت غلطیاں کرتا تھا چنانچہ شعبہ بن حجاج کہتے ہیں **حدثنا عطاء و كان نسياً** عطاء سے ہم نے حدیث کی سماعت تو کی مگر یہ نسیان کا مریض تھا (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۰۵) یحییٰ بن معین کہتے ہیں: **لايحتج بحديثه**، اس کی حدیث سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا (تاریخ الدوری ج ۲ صفحہ ۴۰۳، میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۱۷، کشف الاحوال صفحہ ۷۷) **و كان سيئ الحفظ**، اس کا حافظہ خراب تھا (کشف الاحوال فی نقد الرجال صفحہ ۷۷) احمد بن نجیح نے امام یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ امام یحییٰ

فرماتے تھے: لیث بن ابی سلیم ضعیف مثل عطاء بن السائب "لیث بھی عطاء بن سائب کے مانند ضعیف ہے"۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۰۵) کیونکہ لیث بن ابی سلیم برے حافظے کی وجہ سے متروک ہے اسی طرح عطاء میں بھی یہی علت پائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں عطاء بن سائب کی تحریر میں بھی اغلاط رہتے تھے چنانچہ عجلی نے کہا ہے: کان غیر صالح الکتاب ،عطاء کی تحریر درست نہ ہوتی تھی (تہذیب التہذیب)۔ امام احمد بن حنبل نے کہا کہ جن راویوں نے اس سے عارضہ اختلاط سے پہلے حدیث سنی وہ صحیح ہے اور جنہوں نے بعد میں سنی وہ کچھ نہیں ہے (میزان الاعتدال جلد ۳ صفحہ ۷۱، الضعفاء والمتروکین لابن الجوزی جلد ۲ صفحہ ۱۷۶ رقم ۲۳۰۷ طبع مکۃ المکرمۃ) امام عجلی کہتے ہیں: فاما من سمع منہ (ای عطاء بن السائب) بعد الاختلاط فھو مضطرب الحدیث "جس شخص نے عطاء بن سائب سے عارضہ اختلاط کے بعد (کوئی روایت) سماعت کی ہے وہ مضطرب الحدیث ہے"۔ (تہذیب الکمال جلد ۱۳ صفحہ ۷۵ طبع بیروت، الجوہر النقی برحاشیہ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۳ صفحہ ۳۸، ۳۹ طبع دکن، سیر اعلام النبلاء جلد ۶ صفحہ ۱۱۲ طبع بیروت) امام احمد بن حنبل کہتے ہیں مضطرب الحدیث راوی ضعیف ہوتا ہے (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۵۷۵ طبع مصر)۔ اب جاننا یہ ہے کہ عطا بن سائب کی کون سی احادیث قبل از اختلاط و وہم ہیں اور کون سی بعد از اختلاط، تو اس کے متعلق علماء کی کثیر تعداد نے ایک قاعدہ بنایا ہے کہ "حدث عنہ سفیان و شعبۃ والفلاس وتغیر باخرہ وساء حفظہ..... حدیثہ ضعیف الاما کان عن شعبۃ وسفیان "مطلب یہ ہے کہ عطا سے سفیان، شعبہ اور فلاس نے روایت کی ہے آخر عمر میں تغیر ہو گیا اور اس کا حافظہ خراب ہو گیا تھا اس سے مروی تمام حدیثیں ضعیف ہیں مگر وہ جس کو شعبہ اور سفیان نے نقل کیا

ہو (میزان الاعتدال و تہذیب التہذیب وغیرہ)

اور بعینہ اسی طرح حافظ زیلعی حنفی متوفی ۷۶۲ھ نے نصب الرایہ جلد ۳ صفحہ ۵۸ طبع قاہرہ میں لکھا ہے: لکنہ اختلط بآخر و جمیع من روی عنہ فی الاختلاط الاشعبۃ و سفیان ...... لیکن وہ آخر میں عارضہ اختلاط میں مبتلا ہو گیا تھا اور تمام جنہوں نے اس سے روایت کی ہے اختلاط کے بعد کی ہے سوائے شعبہ اور سفیان ثوری کے۔

اس ضمن میں مزید کتابوں سے بھی عبارتیں پیش کی جا سکتی ہیں تاہم اپنے مدعیٰ کے ثبوت کے لیے ہم نے جو یہاں نقل کی ہیں وہی کافی ہیں۔

معلوم ہوا کہ اگر شعبہ اور سفیان عطا بن سائب سے روایت کر رہے ہوں تو وہ روایت صحیح قرار دی جا سکتی ہے کیونکہ وہ قبل از اختلاط ہے لیکن اگر ان دونوں میں ایک بھی نہ ہو تو سمجھ لیجئے کہ وہ روایت بعد از اختلاط کی ہے جسے ضعیف تصور کیا جائے گا کیونکہ مختلط کا اختلاط کے بعد روایت بیان کرنا علتِ قادحہ ہے۔ اگر معلوم نہ ہو سکے کہ عارضہ اختلاط سے پہلے کی ہے یا بعد کی، تو اس روایت پر حکم لگانے کے بجائے سکوت اختیار کیا جائے گا لیکن اس روایت سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا۔

البتہ سنن ترمذی کی اس روایت کی سند میں نہ سفیان کا نام نظر آتا ہے اور نہ ہی شعبہ کا، تو اس ضابطے کے تحت یہ روایت بعد از اختلاط مروی ہے تو اس بنا پر سنن ترمذی کی روایت ضعیف و مردود قرار پاتی ہے۔ ذرا سوچیے! کتنے افسوس کی بات ہے کہ کوئی کج فہم صرف اس من گھڑت روایت کے بل بوتے پر مولائے کائنات کی ذات پاک پر افتراء و

بہتان لگائے اور بغض وعناد کا اظہار کرے جو صریح کفر اور قیامت کے دن روسیاہی کا موجب ہے یہ اس کی اپنی بدبختی کا نتیجہ ہے۔

ع   ایاز ! قدر خود بشناس

صحت روایت کے باب میں ترمذی متساہل ہیں

اگر معترض کہے کہ ترمذی نے اسے "حسن وصحیح" کہا ہے تو اس کے متعلق جواباً گذارش ہے کہ امام ترمذی متوفی ۲۷۹ھ روایت کو صحیح قرار دینے میں بالاتفاق متساہل ہیں کیونکہ اس روایت کی سند میں ایک راوی ابو جعفر رازی تمیمی ہے جس کا پورا نام عیسیٰ بن ابی عیسیٰ ماہان ہے جو ۱۶۰ ہجری کے حدود میں فوت ہوا یہ شخص مجروح ہے حافظ ابن حجر اور علامہ شمس الحق عظیم آبادی نے اسے صدوق سیء الحفظ کہا، اور اصول حدیث کے تحت بُرے حافظے والے راوی کی روایت صحیح نہیں ہوتی، امام نسائی وعجلی نے لیس بالقوی کہا، زکریا ساجی نے صدوق لیس بمتقن کہا، حافظ ابن فلاس نے ضعیف و سیء الحفظ کہا اور احمد بن حنبل نے لیس بالقوی فی الحدیث کہا اور ابوزرعہ نے شیخ یھم کثیراً کہا ہے (ملاحظہ ہو: تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۵۶-۵۷ طبع دکن، التعلیق المغنی علی سنن الدارقطنی، جلد ۲، صفحہ ۳۳۹ طبع دہلی)

لہٰذا ترمذی کی تحسین وتصحیح میں کلام ہے اگرچہ امام ترمذی نے صحیح یا حسن ہونے کی تصریح بھی کر دی ہو پھر بھی محققین ان کی تصحیح پر اعتماد نہیں کرتے چنانچہ علامہ شمس الدین الذہبی ایک روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں: و اما الترمذی فروی من حدیثہ الصلح جائز بین المسلمین و صححہ فلھذا لایعتمد العلماء علی

تصحیح الترمذی، "ترمذی کی تصحیح پر علماء اعتماد نہیں کرتے"۔ دوسری جگہ ایک حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: حسنہ الترمذی مع ضعف ثلاثۃ فیہ فلا یغتر تحسین الترمذی، "ترمذی کی تحسین سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے" (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۵۴، جلد ۳ صفحہ ۳۰۷) ترمذی کی تحسین کے قبول کی تو دور کی بات ہے بلکہ فقہ حنفیہ کی اہم کتاب "الھدایہ" کے شارح شیخ ابن الھمام وغیرہ نے متعدد مقامات پر امام ترمذی کی تصحیح کو بھی قبول نہیں کیا جیسا کہ ایک مقام پر لکھتے ہیں: وحدیث النعلین و ان صححہ الترمذی فلیس بصحیح، "وہ حدیث جس میں ایک عورت کو صرف دو جوتوں کے مہر کے عوض میں نکاح کرنے کی اجازت دینے کا ذکر ہے صحیح نہیں ہے اگرچہ ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے" (فتح القدیر شرح الھدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۳۶ طبع نولکشور)

اسی طرح حافظ عبدالعظیم منذری نے "الترغیب والترھیب" میں کہا ہے انتقد علیہ الحفاظ تصحیحہ لہ بل و تحسینہ، "ترمذی کی تصحیح بلکہ تحسین پر بھی بڑے بڑے علماء نے تنقید کی ہے"۔

نیز اس سلسلہ میں حافظ ابن دحیہ محدث کا قول "نصب الرایہ" میں دیکھا جا سکتا ہے۔

علاوہ ازیں بہت سی ایسی حدیثیں ہیں جن کو امام ترمذی نے "حسن" کہا ہے مگر علماء ان کو قابل احتجاج نہیں مانتے بلکہ جس حدیث کو امام ترمذی "حسن" قرار دیں ضروری نہیں کہ وہ حدیث خود امام ترمذی کے ہاں بھی ثابت اور قابل احتجاج ہو یہی وجہ ہے کہ وہ روایت کو صحیح یا حسن قرار دینے میں عندالمحدثین متساہل مشہور ہیں۔ اگر ہم مثالیں نقل کریں تو

طوالت کا باعث بنیں گی اس لیے ان ہی پر اکتفا کرتے ہیں۔ بنا بریں محولہ بالا روایت درجہ صحت کو نہیں پہنچ سکتی۔

اس روایت میں اضطراب پایا جاتا ہے

اس کے علاوہ خود متنِ روایت میں اضطراب اور صریح تخالف وتناقض ہے جس میں اصول حدیث کے قواعد کے تحت جمع وتطبیق متعذر ہے ایسا اختلاف بالاتفاق محدثین قدح وجرح کا موجب بنتا ہے چنانچہ اس دعوتِ طعام میں کبھی میزبان ایک نامعلوم انصاری کو بنایا جاتا ہے کبھی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو میزبانی سونپ دی جاتی ہے پھر ان سے امامت بھی کروائی جاتی ہے کبھی کسی نامعلوم آدمی کو امام بنایا جاتا ہے اور کبھی راوی کہتا ہے کہ حضرت علیؓ نے نماز مغرب پڑھائی، اب ان باتوں میں سے کون سی بات صحیح ہے اور کون سی غلط؟

کس کا یقین کیجئے کس کا یقین نہ کیجئے
لائے ہیں بزمِ دوست یار خبر الگ الگ

سنن ابی داؤد کی روایت......

اگر سنن ابی داؤد کی روایت کو چند لمحات کے لئے تسلیم کر ہی لیا جائے کہ سفیان ثوری نے اسے قبل از اختلاط روایت کیا ہے پھر بھی سفیان کے بیان میں اضطراب اور شذوذ واعلال ہے وہ یہ کہ سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق بقول سفیان حضرت علی علیہ السلام نے امامت کرائی لیکن امام حاکم وذہبی کی روایت (جو ان کے نزدیک زیادہ صحیح ہے) میں سفیان ثوری کہتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے امامت کرائی ہے وغیرہ وغیرہ لہٰذا سفیان

ثوری سے مروی ان دونوں روایتوں کی سند اور متن میں اضطراب ہے چنانچہ علامہ شمس الحق عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۹ھ اپنی معروف کتاب ''عون المعبود شرح سنن ابی داؤد'' جلد ۲ صفحہ ۱۲۶۸ طبع سعودی عرب میں اس روایت کی تشریح میں حافظ عبدالعظیم المنذری متوفی ۶۵۶ھ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقد اختلف فی اسناده و متنه واما الاختلاف فی اسناده فرواه سفیان الثوری و ابوجعفر الرازی عن عطاء بن السائب فارسلوه واما الاختلاف فی متنه ففی کتاب ابی داؤد والترمذی ما قدمناه وفی کتاب النسائی وابی جعفر النحاس ان المصلی بهم عبد الرحمن بن عوف وفی کتاب ابی بکر البزار امزوارجلا فصلی بهم ولم یسمه

''بلاشبہ اس روایت کی سند اور متن دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے سند میں اختلاف یہ ہے کہ سفیان ثوری، ابوجعفر رازی نے عطا بن سائب سے اسے مرسل روایت کیا ہے اور اختلاف متن یہ ہے کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابوجعفر نحاس کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف نے امامت کرائی ہے جبکہ ابوبکر بزار کے مطابق انہوں نے ایک شخص کو امامت کرانے کا حکم دیا جس کا نام معلوم نہیں ہو سکا'' (کذا فی: تحفۃ الاحوذی شرح الترمذی للمبارکپوری جلد ۸ صفحہ ۴۷۳ طبع سعودیہ)

اس محولہ بالا عبارت سے یہ حقیقت مترشح ہوئی کہ اس روایت کے متن وسند دونوں میں شدید اضطراب ہے اصولِ حدیث کے ابتدائی طالب علم بھی جانتے ہیں کہ مضطرب روایت ضعیف ہوتی ہے چنانچہ امام ابوذکریا یحیٰ نواوی متوفی ۶۷۶ھ بصراحت

لکھتے ہیں: والاضطراب یوجب ضعف الحدیث "اضطراب حدیث کے ضعف کا سبب ہے" (تقریب مع الشرح تدریب الراوی صفحہ۲۳۴) اور علامہ نیموی حنفی متوفی ۱۳۲۲ھ نے مضطرب روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے لا یصح الاحتجاج لا حد الفریقین: "دونوں فریقوں میں سے کسی کے لئے (بھی) اس سے احتجاج کرنا صحیح نہیں ہے" (حاشیہ آثار السنن صفحہ ۱۲۵) اگر کوئی شخص اس بات پر مصر ہو کہ یہ صورت اضطراب کی نہیں بنتی، تو چلیے چند لمحات کے لیے ہم تسلیم بھی کرلیں کہ اس روایت میں اضطراب نہیں پایا جاتا پھر بھی قابل قبول اور لائق اعتناء نہیں ہے اس لیے کہ اس میں خلیفہ راشد حضرت علی علیہ السلام کی توہین پائی جاتی ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ روایت قطعی طور پر من گھڑت ہے جیسے کہ قبل ازیں عرض کیا جاچکا ہے کہ واقعہ ہذا محض ناصبی راویوں کی کارستانی ہے نیز اس روایت کو ابوبکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ نے مجمع الزوائد جلد ۵ صفحہ ۵۰ روایت نمبر ۸۰۷۵ کتاب الاشربۃ میں ذکر کرنے کے بعد یہ جرح کی ہے رواہ احمد فیہ ابو نجیح ضعیف لسوء حفظہ "اسے امام احمد نے (مسند جلد۲ صفحہ۱۳۵ پر) روایت کیا، اس میں ابونجیح راوی بُرے حافظہ کی وجہ سے ضعیف ہے" اور یہ روایت تفسیر ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۱۷۰ پر بھی موجود ہے۔ اب انصاف سے فرمایئے کہ ان تفصیلات کے بعد اس روایت کے عدم قبول میں کسی شک وشبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔

بہرکیف اہل سنت کی ممتاز علمی شخصیت امام حاکم نیشاپوری نے یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مستدرک میں نقل کی ہے مگر علامہ شمس الدین ذہبی متوفی ۷۴۸ھ نے ان روایات کے تحت اپنا فیصلہ یوں دیا ہے کہ جس روایت میں ذکر ہے کہ عبدالرحمن بن عوف نے نماز پڑھائی اور قرآت میں غلطیاں کیں یہ روایت زیادہ صحیح ہے بہ نسبت اس روایت

کے جس میں حضرت علیؑ کے امامت کرانے کا تذکرہ ہے اس سلسلہ میں دیکھئے تلخیص المستدرک للذہبی جلد۲ صفحہ ۳۰۷ طبع دکن۔ یہ تو عندیہ تھا علامہ ذہبی کا۔ بہرطور یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت علی علیہ السلام پر زبانِ طعن وتشنیع دراز کرنے والے اور سیّ الحفظ و مختل راوی سے توہین پر مبنی مروی روایت کو "صحیح الاسناد" کہنا دیانت وانصاف کا خون کرنا ہے۔

لہٰذا اس روایت کو بنیاد بنا کر مورخین اور مفسرین اپنی تالیفات میں اس کا ذکر کرتے رہے اور ڈاکٹر صاحب نے بھی حقائق سے آنکھیں بند کرتے ہوئے بلاتحقیق اس پر اعتماد کرکے اسی بات کو دہرایا ہے۔

ناصر الدین البانی متوفی ۱۴۲۰ھ کی تصنیف "سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ" مطبوعہ الریاض جو گیارہ مجلدات پر مشتمل ہے ہمارے پیش نظر ہے انتہائی تتبع وتلاش کے باوجود ہمیں اس میں یہ روایت نہیں مل سکی یقیناً اس میں یہ روایت موجود نہیں بلکہ ڈاکٹر صاحب کو مغالطہ ہوا ہے شاید انہوں نے اصل کتاب دیکھنے کی تکلیف گوارا نہیں کی تب ہی تو اس کا غلط حوالہ دیا ہے۔ یہ بات ان کے زاویہ نگاہ میں ہونی چاہیے کہ عوام کو دھوکہ دینا انتہائی سنگین جرم ہے۔

اگر البانی صاحب نے اپنی کسی دوسری کتاب میں اس کی تصحیح کی ہے تو انہوں نے اشتباہ کیا ہے چونکہ انہوں نے بہت سی ضعیف روایات کو صحیح اور صحیح کو ضعیف کہا ہے جیسا کہ ان کی کتب کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ حقیقت مخفی نہیں ہے۔ البتہ انہوں نے اپنی اس ضخیم تصنیف میں کئی اوراق پر اس زیرِ بحث روایت کے ایک راوی عطاء بن سائب بن زید ثقفی کے عارضہ اختلاط میں مبتلا ہونے کی تصریح کی ہے۔

ایک اہم تاریخی واقعہ

اس سلسلے میں درج ذیل واقعہ بھی قابل توجہ ہے اس پر ذرا غور کیجیے وہ یہ کہ حضرت عمرؓ کے دور اقتدار میں ان کے بیٹے ابوشحمہ (جس کا نام عبدالرحمن تھا) نے شراب پی کر زنا کیا تو حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا۔

"فقال ابو شحمه معاشر المسلمين من فعل فعلي فى جاهلية او اسلام فلا يحدني فقام على بن ابى طالب فقال لولده الحسن فاخذ بيمينه وقال لولده الحسين فاخذ بيساره ثم ضرب ستة عشر سوطا فاغمي عليه ثم قال اذا دافيت ربك فقل ضربني الحد من ليس لك فى جنبيه حد،"

ابوشحمہ نے کہا: اے گروہ مسلمین! مجھ پر وہ حد جاری نہ کرے جو میں نے (شراب نوشی وزنا) کیا ہے اس نے بھی وہ کام کسی بھی زمانے میں کیا ہو خواہ زمانۂ جاہلیت ہو یا زمانہ اسلام (شراب اور زنا کا ارتکاب نہ کیا ہو) تو علی بن ابی طالبؑ اٹھے اور اپنے بیٹے حسنؑ کو حکم دیا امام نے اس کا دایاں ہاتھ پکڑا اور امام حسینؑ کو حکم دیا، انہوں نے ابوشحمہ کا بایاں ہاتھ پکڑا اس کے بعد امیر المومنین نے سولہ کوڑے مارے، ابوشحمہ غش کھا گئے، آپ نے فرمایا اے ابوشحمہ! اپنے رب سے کہنا کہ اس نے مجھ پر حد جاری کی ہے جس پر کبھی کوئی حد عائد نہیں ہوئی۔ (ازالة الخفاء عن خلافة الخلفاء جلد دوم صفحہ ۱۵۱ مطبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ)

یہ بات ذہن نشین کر لیجیے کہ اس واقعہ کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے متواتر کہا ہے۔ (دیکھیے صفحہ ۱۴۹)

تقریب استدلال

سطور بالا میں بیان کیے گئے واقعہ پر تھوڑا سا ہی تدبر کر لیں تو عیاں ہو جائے گا کہ معاذ اللہ اگر امیر المومنین علیہ السلام نے بھی ایسے قبیح افعال کیے ہوتے تو صحابہ کرامؓ کے اس بھرے مجمع میں کوئی ایک ضرور بولتا کہ اے امیر المومنین آپ بیٹھ جایئے کیونکہ آپ نے فلاں محفل میں شراب نوشی کی ہے مگر صحابہ کرامؓ میں سے کوئی ایک بھی نہ بولا، لہٰذا صحابہؓ کا نہ بولنا اس امر کی قوی دلیل اور ناقابل تردید برہان ہے کہ آپؑ نے کبھی ایسا اقدام نہیں کیا۔ اتنے مجمع میں کسی نے یہ نہیں کہا کہ میں سزا دے سکتا ہوں بلکہ تمام صحابہؓ نے حضرت علیؑ کی طرف مراجعت کی، تینوں باپ بیٹوں نے اسے سزا دی اب یہ تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ یہ ذوات مقدسہ ان گناہوں سے معصوم تھے۔ قارئین کے لیے اس روایت میں "من ليس لك فى جنبيه حد" کے الفاظ خاص طور سے قابل غور ہیں۔ فافهم و تدبر

رہا یہ کہنا کہ "حرمت شراب کا حکم نازل ہونے سے پہلے مومنین نے جو کچھ کھایا پیا اس پر ان کی گرفت نہیں ہوگی" یہ عام لوگوں کے لئے ہے جو پہلے بت پرست اور بد کردار تھے پھر ایمان لائے اور بتدریج ان سے برائیاں چھڑائی گئیں، لیکن حضرت علی علیہ السلام بچپن ہی سے نہ بت پرست تھے نہ کسی طرح کی بدکرداری میں ملوث تھے بلکہ آپ تو منبر پر کھڑے ہو کر دعویٰ کرتے تھے "لَقَدْ صَلَّيْتُ قَبْلَ النَّاسِ بِسَبْعِ سِنِينَ" میں نے لوگوں سے سات سال پہلے نماز پڑھی ہے۔

حالانکہ تمام مسلمانوں کے لئے نماز کا حکم بعد میں نازل ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکمل کر تبلیغ اسلام اور لوگوں تک اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے کا آغاز کیا آپ کے

اس ارشاد مبارک کی حقانیت پر اسلامی تاریخ کے صفحات کی ہر سطر اور ہر لفظ شاہد ہے۔ مختصر یہ کہ اس طرح کی بے بنیاد روایت پر اعتماد کر کے حضرت علی علیہ السلام کی شانِ اقدس میں یہ گستاخی کرنا کہ وہ بھی عام مسلمانوں کی طرح حرمتِ شراب کی آیات نازل ہونے سے قبل شراب پیتے تھے بالکل لغو اور غلط ہے، مقامِ انصاف وغور ہے کہ جس شخصیت کو قرآن نے نفس نبی قرار دیا ہو اور خود نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام بھی اعلان طائف میں فرما چکے تھے علی کنفسی "علیؑ میری طرح ہے" اور دیگر مندرجہ بالا نہایت صاف اور صریح الدلالۃ حقائق کی رو سے وہ ہرگز شراب نوشی کا ارتکاب نہیں کر سکتے، لہٰذا اس طرح کے بے بنیاد واقعات کو بیان کرنا، ان کو اچھالنا اور ہوا دینا قطعاً نازیبا بلکہ ناجائز ہے۔ اس قسم کی باتیں عدل وانصاف اور علم وتحقیق کی دنیا میں درخورِ اعتناء نہیں ہیں۔ سچ ہے "لیس للباطل اساس" کہ باطل کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔

قاضی الحاجات کی بارگاہ میں التجا ہے کہ وہ سب کو حق تسلیم کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور اس کتاب میں پیش کیے گئے حقائق سے بیش از بیش مستفیض و مستفید فرمائے۔ آمین

وما علینا الا البلاغ